ڈاکٹر خالد علوی

تعلق بالرسالت کے تقاضے

حضور اکرمؐ نے قرآنی تعلیم اور اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے حیات انسانی کے لیے ایسی فکری و عملی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ انہیں شعوری طور پر سمجھنے اور پیروی کرنے سے دنیوی سعادت اور اخروی فلاح یقینی ہو جاتی ہے۔ دوسرے مذاہب کے پیروؤں اور دیگر اقوام کے افراد کی یہ مشکل سمجھ میں آتی ہے کہ وہ بعض تعصبات کے ماحول میں پروان چڑھتے ہیں اور بعض مخصوص ثقافتی و تاریخی بندھنوں میں جکڑے ہوتے ہیں اس لیے وہ حضور اکرمؐ کی شخصیت کو صحیح تناظر میں سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں لیکن اسے کیا کہیے گا کہ امت مسلمہ کے افراد بھی اس بے مثال ہستی کو سمجھنے اور اس کے ساتھ اپنی نسبت کے صحیح تعین میں ٹھوکریں کھاتے رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کی شخصیت ملت اسلامیہ کے لیے نقطۂ اتحاد ہے۔ اسے نہ سمجھنے کی صورت میں انتشار و افتراق پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بقول اقبال:

فرد از حق ملت ازوے زندہ است   از شعاع مہر او تابندہ است
از رسالت ہم نوا گشتیم ما   ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما[1]

قوم را سرمایۂ قوت ازو   حفظ سر وحدت ملت ازو[2]

یہ عجیب بات ہے کہ جو تصور سر وحدت ہے اسی سے افتراق کی بنیاد نکال لی گئی ہے۔ جو تصور اس ملت کی شیرازہ بندی کا ضامن ہو سکتا ہے اسے انتشار پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے اور جو نام اتحاد ملت کا سرمایہ ہے اسے تفریق و تشتت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے:

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی   جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی[3]

اس میں رسالت کا ایک پہلو اور وہ بھی ادھورے طریق پر پیش کیا گیا ہے قرآن

الذریں حالات یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ ہم اپنے انفرادی و اجتماعی کیفیات اور نسبت و عقیدت کی واردات کا جائزہ لیں اور کتاب و سنت کے حوالے سے صحیح نوعیت کا تعین کریں۔

۱- اسرار و رموز، ۱۱۷ -
۲- ایضاً، ۱۱۸ -
۳-

قبل اس کے کہ ہم کتاب و سنت کی ان نصوص کا تجزیہ کریں جو تعلق بالرسالت کو متعین کرتی ہیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان طرز ہائے فکر و عمل کا مختصر جائزہ لیں جو امت مسلمہ میں کسی نہ کسی طرح موجود ہیں -

۱- ایک تصور یہ ہے کہ رسول کی حیثیت محض ایک پیغام پہنچانے والے کی ہے - وہ ایک امین اور دیانت دار شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیغام کو من و عن پہنچا دیتا ہے - اصل حیثیت صرف پیغام کی ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے - لہذا اس پیغام کی موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں - عقل انسانی حالات اور وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس ابدی پیغام کی روشنی میں اپنے فیصلے صادر کریگی - اس تصور کی رو سے پیغمبر کی شخصیت اپنے عہد میں فکر و کردار کے لحاظ سے اس پیغام کا تابع ہوتی ہے اور آنے والے ادوار میں اس کی حیثیت ایک تاریخی شخصیت سے زیادہ نہیں ہوتی - نبی کو یہ حیثیت دینے کے بعد عقیدت و وابستگی کی کوئی معقول وجہ باقی نہیں رہتی کیونکہ قاصد نے جب اپنا پیغام پہنچا دیا تو قاصد اگر درمیان سے غائب بھی ہو جائے تو کاتب و مکتوب الیہ کے درمیان رشتہ قائم رہتا ہے - قرآن مجید کی رو سے یہ تصور غلط ہے کیونکہ کے مطابق نبی ؐ صرف قاصد ہی نہیں معلم و مزکی[1] بھی ہیں ، بشیر و نذیر[2] بھی بلکہ پوری زندگی کے اسوہ حسنہ[3] ہیں ان کا نام صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب پہنچانا

۱- ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین - القرآن ، ۶۲ : ۲ -

ترجمہ : وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ و اخلاق ذمیمہ) سے پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ آپ کی بعثت سے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے -

۲- وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیرا - القرآن ، ۳۴ : ۲۸) -

ترجمہ : اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے -

۳- لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ، القرآن ، ۳۳ : ۲۱ -

ترجمہ : تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا -

ہی نہیں اس کے اسرار و رموز سکھانا بھی ہے اور اس کتاب پر عمل کرکے دکھانا بھی ان کے فرائض میں شامل ہے -

مسلم معاشرے کے بعض افراد کے نزدیک نبی کی حیثیت ثقافتی ہے - بلاشبہ ان کی ذات کے ساتھ اچھی اخلاقی مثالیں وابستہ ہیں ، ان کی ذات کا احترام و عقیدت بھی ضروری ہے - وہ ایک مخصوص دور اور خاص حالات کے لیے واقعی قابل تقلید تھے لیکن دور حاضر کی علمی ترقی اور معاشرتی نظم سے زیادہ متعلق Relevent نہیں ہیں - لہذا ان کے احترام و عقیدت کے باوجود انسانی مسائل کو دور حاضر کے پس منظر میں ہی رکھ کر حل کرنا چاہیے ، ان لوگوں کی اصل مشکل ان کی خواہشات کا تحفظ ہے جن کی تسکین کا سامان اباحیت پسند معاشرے نے فراہم کیا ہے - ان خواہشات کی تکمیل کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ واجب الاتباع شخصیت کا وجود ہے - قرآن پاک نے اس گروہ پر کچھ اس طرح تبصرہ کیا ہے :

آئیث من اتخذ الٰھہ ھواہ افانت تکون علیہ وکیلا۔[1]

ترجمہ : کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں -

و ان کثیراً لیضلون یا ھوائھم بغیر علم۔[2]

ترجمہ : یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی اپنے غلط خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے ہیں -

ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ؐ نے علوم نبوت کے ظاہری پہلو تو شریعت کے نام سے پہنچا دیے لیکن علم کا ایک ایسا خزانہ ہے جو مخفی طور پر صرف چند افراد تک پہنچایا اور وہی معرفت الٰہی کا حقیقی راستہ ہے - یہ طریق امت کے مخصوص افراد کے ذریعے مسلسل چل رہا ہے - اہل باطن کا سارا دار و مدار اسی تصور پر ہے اور باطنیہ نے قرآن کے ظاہری و باطنی معانی کی عمارت اسی تصور پر تعمیر کی ہے - خدا جانے اس تصور پر کے حامل اس ارشاد خداوندی کا کیا کرتے ہوں گے :

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔[3]

۱- القرآن ، ۲۵ : ۴۳ -

۲- القرآن ، ۶ : ۱۲۱ -

۳- القرآن ، ۵ : ۶۷ -

ترجمہ: اے رسولؐ جو جو کچھ آپ کے رب کی جانب کے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجیے اگر آپ ایسا نہ کریں گے آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

اس نقطۂ نظر کا زیادہ خطرناک پہلو وہ ہے جہاں اہل باطن اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق استوار کرتے ہوئے رسالت کے واسطے سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں - یہی وہ مقام ہے جہاں اباحیت پسند اپنی تاثیرات ظاہر کرتا ہے -

حضور ختمی مرتبت نے روحانیت و معرفت کا جو معیار حاصل کیا ہے وہ کسی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا لہذا جو شخص بھی معرفت الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کسی واسطے سے ہی حاصل کر سکے گا - اس ذریعے کے بغیر جو کچھ ہوگا اس میں شیطانی وساوس و اغوا کے اثرات کا ہر دم خدشہ ہے -

مسلم عوام کا ایک بڑا طبقہ آنحضورؐ کی ذات سے اندھی بہری عقیدت کا اظہار ہی کافی سمجھتا ہے عقیدت کے مختلف خود ساختہ مظاہر انہیں دین کی عملی زندگی سے بے نیاز کرنے کا بڑا ذریعہ ہیں جاہل پیروں اور مولویوں کے ایک طبقے نے اپنے مفادات کی خاطر ان کی جوش عقیدگی اور بے عملی کے لیے دلائل مہیا کیے ہیں - یہ انہی حضرات کا کرشمہ ہے کہ محمد رسول اللہؐ کو منصب رسالت سے اٹھا کر منصب اربیت پر متمکن کرنے کی کوشش کی ہے - غالباً حالی نے انہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا :

جو چاہیں نبی کو خدا کر دکھائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

نسبت و تعلق کی یہ سب بوعتیں خود ساختہ ہیں جن کے پیچھے پورے نفسانی ، عقل کی خود سری ، جہالت کی خود فریبی اور مفاد پر شانہ ذہن کی کرشمہ سازی کام کر رہی ہے - رسالت کے بارے میں ان ناقص تصورات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ بگڑے ہوئے ذہنوں نے رسالت کی حیثیت کو کما حقہ نہیں سمجھا - آنحضورؐ کے ساتھ ہمارے تعلق کی جو نوعیتیں ہیں وہ دنیا کے کسی انسان کے ساتھ ممکن نہیں - آپ کی ذات سے تعلق کی نوعیت کا ادراک و شعور پر ہی ایمان کی صحیح لذت کا دار و مدار ہے - رسول اللہؐ کے ساتھ تعلق کی صحیح نوعیت پر ہی فلاح و نجات کا دار و مدار ہے -

تعلق بالرسالت کی صحیح نوعیت

مذکورہ بالا جائزے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریمؐ کی ذات کے عدم شعور اور منصب نبوت کے سلسلے میں کج فہمی نے گمراہی کی کئی اقسام کو

جنم دیا ہے اور اس طرح مسلمان کہلانے اور مسلمان معاشرے کا حصہ ہونے کے باوجود کئی افراد حقیقی ایمان کی نعمت سے محروم ہو سکتے ہیں ۔ چونکہ معرفت الٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ آپ کی ذات ہے اس لیے ضروری ہے کہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کے ساتھ اس نوعیت کا تعلق استوار کریں جس کا تقاضا قرآن کرتا ہے ۔ ربط و تعلق کا یہ درست طریق ہی ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکتا ہے قرآن و سنت کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ کے ساتھ ہمارے تعلق کی مندرجہ ذیل نوعیتیں ہو سکتی ہیں ۔

۱۔ ایمان

نبی مکرمؐ کے ساتھ تعلق کا پہلا تقاضا ان پر ایمان لانا ہے ۔ ایمان کے لیے مطلق تصدیق کافی نہیں بلکہ اس سے مراد وہ یقین ہے جس سے یہ واضح ہو کہ آپ اللہ کے آخری رسول ہیں ۔ آپ صادق و امین ہیں لہذا آپ کی ہر بات اور آپ کا ہر فعل مبنی بر حکمت ہے اور قیامت تک کے لیے قابل عمل ہے ۔ اس بات کا امکان ہے کہ آپ کے کسی حکم و عمل کی حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن صاحب ایمان کبھی دانش نبوت میں شک کرنے کی جسارت نہیں کریگا ۔ قرآن و سنت میں ایمان بالرسالت کو اسلام کے بنیادی عقیدہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے :

یا ایھا الذین آمنوا آمنوا باللہ و رسولہ و الکتاب الذی نزل علی رسولہ[۱]

ترجمہ : اے ایمان والو تم ایمان لے آؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے رسول پر اتاری ہے ۔

فآمنوا باللہ و رسولہ و النور الذی انزلنا معہ[۲]

ترجمہ : تم کو چاہیے کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر (یعنی قرآن پر) کہ ہم نے نازل کیا۔

آمنوا باللہ و رسولہ[۳]

ایمان لاؤ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر ۔

ایمان بالرسالت کے معنی مجرد تصدیق کے نہیں بلکہ ایسے اعتماد کے ہیں جسے دنیا کی کوئی شے متزلزل نہ کر سکے ۔ ایسا ایمان جس میں حضور کے ذریعے حاصل ہونے والی ہدائت و معرفت ہی سب کچھ ہو ۔ ایمان کی حقیقی غائت کی طرف حدیث میں اشارہ ملتا ہے :

۱۔ القرآن ، ۴ : ۱۳۵ ۔

۲۔ القرآن ، ۶۴ : ۸ ۔

۳۔ القرآن ، ۵۷ : ۷ ۔

عن العباس بن المطلب قال قال رسول اللہ ؐ ذاق طعم الایمان من رضی باللہ رب وبالاسلام دیناً و بمحمد رسولاً و روا ، مسلم۔[1]

ترجمہ: عباس بن مطلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: اس نے ایمان کا مزہ چکھا جو اللہ کے رب ہونے ، اسلام کے دین ہونے اور محمد کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔

یہی وہ اعتقاد ہے جس کی تعلیم آپ نے ایک موقع پر حضرت عمرؓ کو دی تھی۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں:

ان عمر ابن الخطاب الی رسول اللہ ؐ بنسخة من التوراة فقال یا رسول اللہ هذه نسخة من التوراة فسکت فجعل یقرأ و وجه رسول اللہ ؐ یتغیر فقال ابوبکر ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجه رسول اللہ؟ ؐ فنظر عمر الی وجه رسول اللہ ؐ فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسوله. رضینا باللہ رباً بالاسلام دیناً و بمحمد نبیاً فقال رسول اللہ ؐ والذی نفس محمد بیده لوبدألکم موسیٰ فاتبعتموه و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل و لوکان حیاً و ادرک نبوتی لاتبعنی۔[2]

ترجمہ: عمر بن الخطابؓ رسول اللہ ؐ کے پاس تورات کا ایک نسخہ لائے اور کہا یا رسول اللہ ؐ یہ تورات کا ایک نسخہ ہے آپ خاموش رہے عمرؓ نے پڑھنا شروع کیا اور رسول اللہ ؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا ابوبکرؓ نے کہا تجھے گم کرنے والیاں گم کریں تم رسول اللہ ؐ کے چہرے کے آثار نہیں دیکھ رہے؟ عمرؓ نے رسول اللہ ؐ کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا: میں اللہ اور اس کے رسول ؐ سے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہم اللہ کے رب ہونے ، اسلام کے دین کے ہونے اور محمد ؐ کے نبی ؐ ہونے راضی ہیں۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ؐ کی جان ہے اگر موسیٰ ؑ ظاہر ہو جائیں اور تم مجھ کر چھوڑ کر اس کی پیروی کرو تو سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاؤ گے۔ اگر موسیٰ ؑ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو ضرور میری پیروی کرتے۔

جابرؓ ہی سے ایک اور روایت ہے جس میں عمرؓ کے بعض سوالات کا ذکر ہے۔

عن جابر عن النبی ؐ حسین اتاہ عمر فقال انا نسمع احادیث من یهود تعجبنا افتری ان نکتب بعضها فقال امتهوکون انتم کما تهوکت الیهود و النصاری لقد

۱- مشکاۃ ، کتاب الایمان ، ۱۲ -

۲- دارمی ، ۱ : ۱۱۵ -

جئتکم بها بیضاء نقیة و لوکان موسیٰ حیاًماوسعه الا اتباعی[1] رواه احمد.

ترجمہ: جابرؓ سے نبیؐ روائت ہے جب عمرؓ رسول اللہ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم یہودیوں سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو اچھی لگتی ہیں ۔ ان میں سے بعض کے لکھ لنیے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے آپ نے فرمایا: کیا تم اسی طرح حیران ہو جس طرح یہود و نصاری ہیں ۔ میں تمہارے پاس روشن اور واضح شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو انھیں میری اتباع کے سوا کسی طریق کی گنجائش نہ تھی ۔

ان نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فرد کے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات ، جن کا تعلق زندگی کے دینی انضباط سے ہے ، میں آنحضور کا قول و فعل حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے ۔ کسی فکری و فلسفی اسلوب کی یہ حیثیت نہیں کہ وہ حکمت نبوت سے آگے بڑھ کر کوئی بات کرے ۔ آنحضورؐ کی ختم نبوت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اس ہدایت و قیادت کے بعد اب کسی اور ہدایت و قیادت کی ضرورت باقی نہیں ۔ پچھلی نبوتوں کی تکمیلی شان موجود ہے اور سابقہ ہدایات کا آخری ایڈیشن آ چکا ۔ کسی اور جانب رجحان کے معنی عدم ایمان کے ہیں ۔ عقل انسانی الہامی رہنمائی کی روشنی میں تفسیر و تعبیر اور استنباط و اجتہاد کا کام کر سکتی ہے لیکن یہ کام پیغمبرانہ فریم ورک (Frame work) کے اندر ہی ہوگا فکر و فلسفہ اور ایجاد و اختراع کا کوئی نظام جو پیغمبرؐ کی ناقابل سوال حیثیت کو چیلنج کرتا ہے لائق توجہ نہیں ۔ آنحضورؐ نے موسیٰؑ جیسے جلیل القدر نبی کے بارے جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں ان سے معاملے کی سنگین نوعیت کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ غیر مشروط اعتماد اور غیر متزلزل ایمان ہی وہ بنیادی تقاضا ہے جس کے بغیر نبوت سے کسی قسم کا موثر تعلق استوار نہیں ہو سکتا ۔ ایمان کے اس مفہوم کو سمجھنے کے نتیجے میں مسلمان ایسے افکار و اعمال کو اپنائے ہوئے ہیں جن سے صریحاً شرک فی النبوت کی بو آئی ہے ۔ جب تک تمام انسانی خواہشات آپ کے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائیں اس وقت تک تکمیل ایمان نہیں ہو سکتی ۔

آپ نے فرمایا :

واللہ لا یومن احد کم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به[2]

ترجمہ : خدا کی قسم تمہارا کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب وہ اپنی خواہش کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کر دے ۔

محبت

ایمان کے ساتھ دوسرا بنیادی اہم تقاضا محبت ہے ۔ محبت وہ قلبی تعلق ہے

۱۔ مشکاۃ ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة ، ص ۳۰ ۔

۲۔ ایضاً ۔

جس کی بنا پر محبوب ہی سب کچھ قرار پاتا ہے۔ ایسی محبت مطلوب ہے جو محض رسمی و ظاہری نہیں بلکہ ایسی محبت جو تمام محبتوں پر غالب آ جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ محبت جسمانی و ظاہری نہیں بلکہ اصولی و عقلی ہے۔ اس سے مقصود محض جذباتی محبت نہیں ہے جو ایک انسان کو فطری طور پر اپنے بیوی بچوں یا اپنے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس محبت کی بنیاد شخصیت کی عظمت اور اصول و مسلک کی بالاتری جو ہر لمحہ محب کو اپنی طرف جذب کیے رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسی محبت ہے جس کے باعث انسان اپنی محبوب شخصیت اور مسلک کو نقصان پہنچانے والی ہر چیز کی مزاحمت کرتا ہے اور اس مقصد کی خاطر اپنی جان و مال عزت و آبرو اعزہ و اقربا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو رسول اللہ نے مختلف پیراؤں میں بیان کیا ہے۔

عن انس رض قال قال رسول اللہ ص لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔[1]

ترجمہ: انس رض سے روائت ہے کہ رسول اللہ ص نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک میں باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

و عنہ قال قال رسول اللہ ص ثلث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان. من کان اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما۔[2]

ترجمہ: انہی سے روائت ہے کہ رسول اللہ ص نے فرمایا: تین چیزیں ہیں جس میں وہ ہوں گی ایمان کی حلاوت پائے گا۔ وہ جس کو اللہ اور اس کا رسول، ان کے سوا ہر چیز سے محبوب تر ہو۔

رسول اللہ ص سے عشق و محبت مومن کا گراں بہا سرمایہ ہے اور کسی مومن کا دل اس سے خالی نہیں رہنا چاہیے کیونکہ یہی محبت معبود حقیقی کے قرب کا ذریعہ بھی ہے اور اس کی ذات و صفات کے صحیح تصور کا واحد وسیلہ بھی۔ وہ لوگ جو آنحضور ص عہد کے میں تھے ان کے سامنے حضور کا وہ حسن صورت بھی تھا جس کے ایک ایک نقش اور خد و خال میں جمال سیرت کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور حسن سیرت کی جلوہ آرائی بھی تھی۔ ہمارے سامنے گو ان کی ذات موجود نہیں لیکن ان کی سیرت کا ایک ایک نقش محفوظ ہے علامہ اقبال مثنوی اسرار و رموز میں "خودی از عشق و محبت استحکام می گیرد" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

ہست معشوقے نہاں اندر دلت — چشم اگر داری بیا، بنمایت
عاشقان او ز خوباں خوب تر — خوش تر و زیبا تر و محبوب تر

۱- مشکاۃ، کتاب الایمان، ۱۴۔ ۲- ایضاً۔

دل ز عشق او توانا می شود　　خاک هم دوش ثریا می شود
خاک نجد از فیض او چالاک شد　　آمد اندر وجد و بر افلاک شد
در دل مسلم مقام مصطفیٰ است　　آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است[1]

یہ محبت نہ صرف تشکیل ذات میں معاون ثابت ہوتی ہے ، بلکہ تعمر معاشرت میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے - محبت کا یہ شعوری احساس تعلق کی ایسی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے جس میں آپ کی ذات سب کچھ نظر آتی ہے رموز بے خودی میں ملت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

حق تعالی پیکر ما آفرید　　از رسالت در تن ما جاں دمید
حرف بے صوت اندرین عالم بدیم　　از رسالت مصرع موزوں شدیم
از رسالت در جہان تکوین ما　　از رسالت دین ما آئین ما
ما ز حکم نسبت او ملتیم　　اہل عالم را پیام رحمتیم
از میان بحر او خیزیم ما　　مثل موج از هم نمی ریزیم ما[2]

محبت کا استحکام انفرادی و اجتماعی سکون کا واحد ذریعہ ہے - رب کائنات نے تمام محبتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ و رسول کی محبت کے غلبے کو بالوضاحت بیان کیا ہے - قرآن مجید کے مطابق اس محبت کا معیار یہ بتایا گیا ہے -

قل ان کان آباؤکم و ابناء کم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھاو تجارہ تخشون کسا دھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصواحتی یاتی اللہ با مرہ۔[3]

ترجمہ : کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ ، تمہارے بیٹے ، تمہارے بھائی ، تمہاری بیویاں ، تمہارے خاندان اور مال جو تم نے کمایا ہے اور تجارت جس کے گر جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور مکانات جو تمہیں پسند ہیں ، اگر یہ ساری چیزیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر کردے -

رسول اللہ ؐ نے اس محبت کو جس طریق سے بیان کیا ہے اس سے اس کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے - آپ نے فرمایا :

من احب سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنة (ترمذی)[4]

ترجمہ : جس نے میری سنت سے محبت کی ، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا -

---

۱- اسرار و رموز ، ۱۹ -　　۲- ایضاً ، ۱۱۶ -
۳- القرآن ، ۹ : ۲۴ -
۴- مشکاۃ ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة ، ۳۰ -

اطاعت :

آنحضور کے ساتھ تعلق کے ساتھ ایک اہم تقاضا اطاعت ہے ۔ ایمان و محبت کا لازمی نتیجہ اطاعت ہے ۔ ایمان و محبت قلبی تعلق کو جو استحکام عطا کرتے ہیں اس سے اطاعت پیدا ہوتی ہے ۔ ایمان و محبت کا منطقی و فطری نتیجہ ہے کہ انسان جس پر اعتماد کرتا ہے اور جس سے محبت کرتا ہے اس کی اطاعت بھی کرے ۔ دنیا میں جو ہادی و رسول آیا ہے اس کی اطاعت لازمی قرار دی گئی ہے ۔ اس بے چون و چرا اطاعت سے زندگی کے تمام گوشے منور ہوتے ہیں ۔ قرآن پاک نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

وما ارسلنا من رسول الالیطاع باذن اللہ[1]

ترجمہ : ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے ۔

انسانی اعمال میں اطاعت کی ناگزیر حیثیت بیان کرتے ہوئے فرمایا :

یا ایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ و اطیعوالرسول ولاتبطلوا اعمالکم[2]

ترجمہ : اے ایمان والو ، اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو ۔

رسول چونکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے ۔ اس کے اوامر و نواہی ، اس کے احکام و ارشادات اور اس کی مرضی و ناراضی کو پیش کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی پہچان کا ذریعہ بھی وہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک غیر مرئی وجود ہے اس کی اطاعت براہ راست ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے احکام کا ظہور نبی کے ذریعے کرایا ۔ رسول انسانوں کو اس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے اور اس کی ناراضی سے ڈراتا ہے وہ اس کی طرف سے خوشخبری بھی سناتا ہے اور اس کے عذاب سے ڈراتا بھی ہے ۔ چنانچہ خالق کائنات نے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور اس کے اعمال کی صحیح نسبت کا تعین کرکے انھیں الٰہی اعمال قرار دیا :

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ[3]

ترجمہ : جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔

اس اطاعت کی الٰہی حیثیت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب رسول کے کام کو

۱۔ القرآن ، ۴ : ۶۴ ۔

۲۔ القرآن ، ۴۷ : ۳۳ ۔

۳۔ القرآن ، ۴ : ۸۰ ۔

الٰہی فعل قرار دیا جاتا ہے بیعت رضوان اور غزوہ بدر کے مواقع پر ہونے والی نبوی افعال کو الٰہی افعال کا نام دیا :

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم[1]

ترجمہ : جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں در حقیقت اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں اللہ ہی کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے ۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ[2]

ترجمہ : اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی ۔

رسول اللہؐ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرنے کا رستہ بھی بتا دیا ، فرمایا :

عن ابی ھریرۃ/قال قال رسول اللہؐ من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصی اللہ و من اطاع امیری فقد اطاعنی و من عصی امیری فقد عصانی[3]

ترجمہ : ابو ہریرہؓ سے روائت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا : جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی ۔

جابرؓ سے روایت شدہ حدیث میں مزید وضاحت ملتی ہے ۔ اس کے الفاظ ہیں :

من اطاع محمداً فقد اطاع اللہ و من عصی محمداً فقد عصی اللہ و محمد فرق بین الناس[4]

ترجمہ : جس نے محمدؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی ۔ اللہ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں محمدؐ ہی نشان امتیاز ہیں ۔

ایمان و محبت کے نتیجے میں جو اطاعت وجود میں آتی ہے وہ ظاہری و رسمی نہیں بلکہ مکمل اور حقیقی ہے ۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ اس اطاعت کے دائرے سے خارج نہیں ۔ ایمان و محبت کے نتیجے میں جو اطاعت ظاہر ہوتی ہے وہ دل کی گہرائیوں اور نیتوں کے اخلاص سے ہوتی ہے ۔ اطاعت شعار مومن کسی مسئلے پر دل گرفتگی اور پریشانی کا اظہار نہیں کرتا ۔ ارشاد خداوندی ہے :

۱۔ القرآن ، ۴۸ : ۱۰ ۔
۲۔ القرآن ، ۸ : ۱۷ ۔
۳۔ بخاری کتاب الاحکام ، ۷ : ۷۷ ۔
۴۔ مشکاۃ ، ایضاً ، ۷ : ۱۱۵ ۔

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکوک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلماً۔[1]

ترجمہ: آپ کے رب کی قسم وہ مومن نہیں جب تک کہ ان تمام معاملات میں جو ان کے درمیان پیدا ہوں اور وہ آپ کو حکم نہ بنائیں اور پھر آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں کے اندر کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پورے طور پر اپنے آپ کو آپ کے تابع نہ بنائیں۔

اطاعت نبوت کی جانب بڑے بلیغ انداز میں توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قیل و من ابی ؟ قال: من اطاعنی دخل الجنة و من عصانی فقدابی رواه البخاری۔[2]

ترجمہ: میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جس نے انکار کیا گیا کہ کس نے انکار کیا؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

آنجنابؐ کی موجودگی میں تو آپ کی اطاعت براہ راست ہوتی تھی لیکن آپ کے وصال کے بعد آپ کی سنت ہی وسلیہ اطاعت ہے۔ چنانچہ اس امر کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنة رسوله۔[3]

ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان دونوں پر مضبوطی سے قائم رہو گے اس وقت تک تم گمراہ نہ ہوگے۔

امم سابقہ کی ہلاکتوں اور گمراہیوں کا علم رکھتے ہوئے آپ نے اپنی امت کو ممکنہ حد تک ان تمام امور سے آگاہ کیا جو ان کی گمراہیوں کا باعث بن سکتے ہیں۔ سنت سے انحراف امت کے لیے مشکلات پیدا کر دے گا۔

عن عائشہؓ قالت/قال رسول اللہؐ: من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد۔[4]

ترجمہ: عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جس نے ہمارے دین میں نئی بات نکال جو پہلے اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔

عن جابرؓ قال/قال رسول اللہؐ: اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیرالھدی ھدی محمد و شر الامور محدثاتھا و کل بدعة ضلالة۔[5]

ترجمہ: جابر سے روائت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: حمد و ثنا کے بعد بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین آل محمدؐ کی ہے اور بدترین چیز وہ ہے جو نئی نکالی گئی ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۱۔ القرآن، ۴: ۶۵۔ ۲۔ بخاری، کتاب الاحکام، ۷: ۱۱۴۔

۳۔ مشکاة باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ۳۔

۴۔ مشکاة، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ۲۷۔ ۵۔ ایضاً۔

ان نصوص سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدم اطاعت انکار کے مترادف ہے اور انکار نبوت تصدیق نبوت کے خلاف ہے گویا عدم اطاعت عدم ایمان اور نفی محبت کی علامت ہے ۔ دوسرے لفظوں میں اطاعت ایک پیمانہ ہے جس سے ایمان و محبت کی حیثیتوں کو ناپا جا سکتا ہے ۔

اتباع

تعلق بالرسالت کا ایک اہم تقاضا اتباع ہے ۔ اتباع کے معنی پیچھے چلنا ہے اور یہ اطاعت کی عملی صورت ہے ۔ اطاعت اور اتباع میں ایک فرق یہ ہے کہ اطاعت میں احکام آتے ہیں جبکہ اتباع میں عمل۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مطاع کے لیے مرئی ہوتا ضروری نہیں جیسے اللہ تعالیٰ ۔ وہ مطاع حقیقی ہے لیکن اسے دیکھا نہیں جا سکتا اس کے برعکس متبع کا مرئی وجود ہونا ضروری ہے وہ جس کے نقش قدم پر چلتا ہے اس کے قدم تو ہوں ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں اطاعت کی اصطلاح استعمال کی ہے اتباع نہیں بلکہ آنحضور ؐ کے لیے اطاعت کے ساتھ اتباع کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے ۔ اتباع کے ضمن ایک اور پہلو بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے وہ یہ کہ اتباع کا دائرہ وسیع ہے ۔ اگر اطاعت میں احکام و واجبات اور اوامر و نواہی آتے ہیں تو اتباع میں مستحبات و نوافل بھی آ جاتے ہیں ۔ غرض اتباع شخصیت رسول کی مکمل پیروی ہے ۔ ایک اور اعتبار سے بھی ان دونوں میں فرق کیا جا سکتا ہے وہ فرق یہ ہے کہ اطاعت بعض اوقات جبراً بھی اختیار کی جاتی ہے خوف کی وجہ سے یا کسی اور انفرادی و اجتماعی مصلحت کے باعث جبکہ اتباع سر تا سر رضاکارانہ عمل ہے اس اعتراف عظمت کے ساتھ عقیدت و محبت کا عنصر غالب ہوتا ہے ۔ اگر ہم صحابہ کرام رضؓ کی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان کے ہاں اتباع ہی اتباع ہے ۔ حضور کا چلنا پھرنا ، بیٹھنا اٹھنا ، نماز و وضو آرام و سکون ، عبادت و ریاضت ، سفر و حضر غرض آپ کی تمام حرکات و سکنات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی زندگی کو اسی انداز پر ڈھالنے کی کوشش کرے ۔ رب کائنات نے آپ کی ذات کو مکمل نمونہ قرار دیا لہذا ہر شخص اس مثالی ہستی کو اپنی شخصیت میں سمونے کی کوشش کرتا ۔ مسلمانوں پر لازم قرار دیا کہ وہ اپنی سیرت کے لیے اس مثال کو سامنے رکھیں ارشاد خداوندی ہے :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر۔[۱]

ترجمہ : تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ کی اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے ۔

۱۔ القرآن ، ۳۳ : ۲۱ ۔

حیات مومن کی معراج یہ ہے کہ وہ محبوبیت الٰہی کے مرتبہ کو پہنچے۔ اس مقام کو حاصل کرنے کا وسیلہ اتباع نبوت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بندہ نوافل کے[1] ذریعے خداوند کا قرب حاصل کرتا ہے اگر قرب الٰہی کا حصول صرف عبادت سے حاصل ہوتا ہے تو محبوبیت الٰہی کا حصول اتباع رسول سے ہے۔ بقول مولانا اصلاحی: اتباع رسول میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس ذوق و شوق کی وجہ یہ تھی کہ خدا کی محبت اور محبوبیت کا درجہ صرف اطاعت رسول سے نہیں بلکہ در حقیقت اتباع رسول سے ہوتا ہے۔ اس کی ایک ایک ادا معرفت الٰہی کا نشان ہوتی ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ خدا سے محبت رکھتے ہیں وہ رسول کی ایک ایک ادا سے محبت رکھتے ہیں، وہ رسول کے اندر وہ علم دیکھتے ہیں جو خدا کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے وہ عمل دیکھتے ہیں جو خدا کی معرفت سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ عادات دیکھتے ہیں جو خدا کو پسند ہیں، وہ صفات دیکھتے ہیں جو خدا کو محبوب ہیں، وہ جمال دیکھتے ہیں جس پر جمال خداوندی کا پرتو ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ رسول کے ایک ایک نقش کو تلاش کر کر کے اس کے پیروی کرتے ہیں اور چونکہ یہ سب کچھ وہ خدا کی محبت میں کرے ہیں اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا صلہ پاتے ہیں کہ وہ اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ یہی حقیقت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں بیان[2] کی گئی ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔[3]

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اتباع نبوت شخصیت کی تعمیر اور اس کے باطن کی تزئین کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ یہ اتباع ہی ہے جو مسلمان کو نبوت کے فیض سے منور کرتی ہے۔ اور ظاہر و باطن صبغۃ اللہ میں رنگ دیتی ہے۔ اطاعت و اتباع کی اسی اہمیت کی طرف ایک حدیث کا مضمون رہنمائی کرتا ہے۔

عن ابی رافع قال قال رسول اللہ ؐ لاالفین احدکم متکءا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ اونہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔ رواہ احمد و ابوداود و الترمذی و ابن ماجہ۔[4]

ترجمہ: ابو رافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی

۱۔ مشکاۃ، کتاب الدعوات، ۱۶۷۔ ۲۔ تزکیہ نفس، ۱۱۴۔

۳۔ القرآن، ۳ : ۳۱۔

۴۔ مشکاۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ، ۲۹، ابو داود، ۴ : ۲۸۰، ابن ماجہ، ج ۱ : ۷۔

شخص کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے چھپر کھٹ پر تکیہ لگائے ہو اور اس کے پاس میرے احکام میں سے ایک آتا ہے جو میں نے حکم دیا ہے یا روکا ہے اور وہ کہے کہ میں نہیں جانتا - ہم تو اس کی پیروی کریں گے جو اللہ کی کتاب میں پائیں گے -

اتباع سنت سے وہ فرد تیار ہوتا ہے جو رحمت خداوندی اور خلق محمدی کا چلتا پھرتا نمونہ ہوتا ہے -

ادب

نبی مکرم ؐ کے ساتھ ایمان ، محبت ، اطاعت اور اتباع کے تعلق سے ایک مجموعی رویہ پیدا ہوتا ہے اس رویہ کا ایک پہلو تو شخصی و اجتماعی ہے کہ انسان نہ صرف بہترین انسان ہوتا ہے بلکہ اجتماع انسانی کے لیے بھی ایک رحمت ہوتا ہے - اس روئیے کا دوسرا پہلو آنحضور ؐ سے ادب کا تعلق ہے - صحابہ کرام رض نے رسول اللہ ؐ کے حضور جو طریقہ اختیار کیا وہ پوری امت کے لیے ایک نمونہ ہے - دربار رسالت کا اندازہ لگائیے - دنیوی تاجداروں کے درباروں کا جاہ و جلال اور تزئین و آرائش تھی نہ خیل و حشم ، تخت و تاج تزک و احتشام اور حاجب و دربان - یہاں ایک سادگی تھی جو پورے دربار پر چھائی ہوئی تھی - نہ روک تھی نہ ٹوک ، نہ در تھا نہ دربان ، نہ قالینوں کا فرش نہ زرق برق وردیوں والے چوبدار ، اس کے باوجود حاضرین کو اتنا پاس ادب ہوتا کہ بیٹھے ہوئے ایسے محسوس کرتے کہ ان کے سروں پر چڑیاں آ بیٹھی ہیں - جب آپ کلام فرماتے تو ماحول پر ایک سناٹا چھا جاتا ہر شخص مودب ہوتا کوئی فخر و امتیاز نظر نہ آتا - آنجناب کے ساتھ خصوصی ادب کے تعلق کی تعلیم رب کریم نے عطا فرمائی :

یا ایہا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہرو اله بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحیط اعمالکم و انتم لاتشعرون۔[1]

ترجمہ : اے مومنو آنحضرت کی آواز سے اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو اور نہ ہی آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح محبوب علیہ السلام کو پکارو مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم بے خبر ہو -

بخاری[2] میں ابن زبیر رض سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کئی دن حضرت ثابت بن قیس دربار رسالت حاضر نہ ہوئے۔ معلوم کرتے پر پتہ چلا کہ ثابت مغموم و محزون بیٹھے ہیں اور اس ڈر سے حضور کی محفل میں حاضر نہیں ہوتے

۱- القرآن ، ۴۹ : ۲

۲- بخاری ، ٦٧ : ۱۷۱ -

کہ بلند آواز ہونے کے باعث کہیں اعمال نہ اکارت جائیں ۔ حضور اکرم ؐ کو خبر ہوئی تو کہلا بھیجا ۔

انک لست من اهل النار و للنک من اهل لجنة.[1]

ترجمہ : تم جہنمی نہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہو ۔

صاحب معالم نے اس واقعہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن نے کہا :

ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقوی الهم مغفرة و اجر عظیم.[3]

ترجمہ : بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہؐ کے حضور میں پست کرتے ہیں وہ وہی ہیں جن کے دل اللہ نے تقوی سے آزمائے ان کے مغفرت اور بڑا اجر ہے ۔

حافظ ابن کثیرؒ[4] نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے طائف کے ان دو آدمیوں کو جو مسجد نبوی میں اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے ، تنبیہ کی کہ اہل مدینہ کو تو پاس ادب ہوتا ہے ۔ آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی ایسے انداز سے آپ کا نام لینا منع ہے جس سے تحقیر کا پہلو نکلتا ہو ۔ قرآن نے کہا :

لا تقولو اراعنا و قولوانظرنا واسمعوا والکافرین عذاب الیم.[5]

ترجمہ : اے ایمان والو راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو ۔ توجہ سے بات سنو اور یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں ۔

ادب کا تقاضا ہے کہ آپ کی ذات اور پیغام کے بارے ایسی گفتگو اور استدلال سے پرہیز کیا جائے جس سے کسی قسم کی تحقیر کا شائبہ پیدا ہوتا ہو ۔ آپ کا ارشاد ہے جس شخص کے سامنے میرا نام آیا اور اس نے مجھ پر صلواۃ نہیں بھیجی وہ بخیل ہے ۔[6]

رغم انف رجل ذکرت و عنده فلم یصل علی.[7]

ترجمہ : اس شخص کی ناک خاک آلود ہو اس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور اس نے مجھ پر صلواۃ نہ بھیجی ۔

۱۔ ایضاً ۔ ۲۔ معالم التنزیل ، ۸۳ ۔

۳۔ القرآن ، ۴۹ : ۳ ۔

۴۔ تفسیر القرآن ، ۴ ۔ ۵۔ القرآن ، ۲ : ۱۰۴ ۔

۶۔ مشکاۃ ، کتاب الصلواۃ فی الصلواۃ علی النبی ، ۸۷ ۔

۷۔ ایضاً ، ۸۶ ۔

رب محمدؐ نے حکم دیا ہے کہ آپ پر صلواۃ و سلام کہا جائے۔
ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔[۱]

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبرؐ پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

آداب رسالت کا تقاضا ہے کہ جب بھی رسول کا نام آئے عقیدت و محبت کے ساتھ صلواۃ پڑھی جائے۔ حضرت انس روائت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا :
من صل علی صلواۃ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشر صلوات وحط عنہ عشر خطیات و رفعت لہ عشر درجات۔[۲]

ترجمہ : جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اس کی دس خطائیں معاف ہونگی اور اس کے دس درجات بلند ہوں گے۔

امت مسلمہ آج تعلق بالرسالت کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر محض ظاہری و رسمی معاملات میں الجھی ہوئی ہے ختمی مرتبت کی ذات پر کھرے ایمان، سچی محبت، مکمل اطاعت، کامل اتباع اور صحیح ادب کے بغیر ہم نفاق اور بدعت جیسی روحانی امراض سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ اس وقت اپنے بے لاگ تجزیے کی ضرورت ہے، مرض کی نشاندہی اور اس کے علاج کی اشد احتیاج ہے اور اس کے سوا اور کوئی طریق نہیں کہ بارگاہ رسالت کے ساتھ اپنے تعلق کے تقاضوں کو سمجھیں اور تعمیر سیرت کے پروگرام پر عمل پیرا ہوں۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی   کشتی و دریا و طوفانم توئی
اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ

۱۔ القرآن،
۲۔ النسائی، ۳ : ۵۰، باب الفضل فی الصلواۃ علی النبی۔